Al-Azhār
ISSN (Print): 2519-6707
Volume 7, Issue 2(July- December, 2021)

Issue:http: http: //www.al-azhaar.org/index.php/alazhar/issue/view/17
URL: http://www.al-azhaar.org/index.php/alazhar/article/view/242
Article DOI: https://doi.org/10.46896/alazhr.v7i02.242

Title

The concept of the Muslim state and the status of contemporary Muslim states, jurisprudential study

Author (s): Dr.Muhammad Saeed(Tayyab) Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari

Received on: 29 July, 2021
Accepted on: 29 November, 2021
Published on: 25 December, 2021

Citation: Dr.Muhammad Saeed(Tayyab) Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari “"The concept of the Muslim state and the status of contemporary Muslim states, jurisprudential study,” Al-Azhār: 7 no, 2 (2021): 352-373

Publisher: The University of Agriculture Peshawar

Click here for more

مسلم ریاست کا تصور اور معاصر مسلم ریاستوں کی حیثیت، فقہی مطالعہ

The concept of the Muslim state and the status of contemporary Muslim states, jurisprudential study

*ڈاکٹر محمد سعید (طیب)
*ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

Abstract

Countries and states in the world are divided geographically, politically, culturally, economically or religiously. And this distribution varies according to the interests of each distributor. According to Islamic teachings, this division is not based on race, language, geography or nationality, but on the beliefs of the ruling class of this state. According to this division in the light of Islamic teachings, the states and countries on the planet are divided into the following two major categories.

- *Dar-ul-Islam, where the people of Islam have dominance, power and authority.*
- *Dar-ul-Kufr, where the disbelievers have dominance, power and authority.*

Nowadays, since people have different problems and questions regarding the Muslim state, the top three are:Can states also be Muslim or non-Muslim? What is the correct concept of Muslim state?Are contemporary Muslim states really Muslim states and is it right to call them Darul Islam or not?

In this article, an attempt will be made to give scientific and research answers to these questions in the light of the Qur'an and Sunnah and the opinions and fatwas of the jurists of the ummah.

<u>Key Words:</u> *Countries, religiously, Dar-ul-Islam, Dar-ul-Kufr, Muslim state, contemporary Muslim states .*

*لیکچرر، شعبہ سوشل سائنسز، نمل یونیورسٹی راولپنڈی
** ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، نمل، اسلام اباد

دنیا میں موجود ممالک اور ریاستوں کو جغرافیائی، سیاسی، ثقافتی، معاشی یا مذہبی لحاظ سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور یہ تقسیم ہر تقسیم بنانے والے کے مفاد کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ اسلام اس کائنات کے خالق و مالک رب العالمین کا پسندیدہ دین ہے، جس نے بندوں کو نہ صرف پیدا کیا بلکہ ان کی راہنمائی کیلئے بے شمار انبیاء ورسل علیہم السلام کو بھی مبعوث فرمایا۔ پھر کچھ تو اس پر اور اس کی بھیجی تعلیمات پر ایمان لے آئے اور کچھ نے ان کا انکار کیا، اس طرح دنیا پر بسنے والے انسان از خود دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ چنانچہ فرمان باری تعالی ہے۔

﴿ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ﴾ [1]

یعنی اسلامی تعلیمات کی رو سے تمام انسان رنگ، نسل، جغرافیہ یا زبان کی بجائے اللہ تعالی کی عبادت کے لحاظ سے دو قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں: ایک رب کو پہچان کر اس کی بندگی کرنے والے، ایک رب کی عبادت بجا لانے کی بجائے اس سے بغاوت اختیار کرنے والے

اسی تناظر میں اسلام کرہ ارضی پر موجود ریاستوں کو ایک واضح تقسیم میں منقسم کرتا ہے۔ اسلام کی اس تقسیم کی بنیاد رنگ، نسل، زبان، جغرافیہ یا قومیت پر نہیں بلکہ اس ریاست کے مقتدر طبقہ کے اعتقاد پر رکھی جاتی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کی جانے والی اس تقسیم کے مطابق کرہ ارضی پر موجود ریاستوں اور ملکوں کو مندرجہ ذیل دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

- دار اسلام کہ جہاں اہل اسلام کو غلبہ، قوت نافذہ اور اقتدار حاصل ہو۔
- دار الکفر کہ جہاں کفار کو غلبہ، قوت نافذہ اور اقتدار حاصل ہو۔

دور حاضر میں چونکہ مسلم ریاست کے حوالہ سے لوگوں میں مختلف اشکالات اور سوالات پائے جاتے ہیں، جن میں سر فہرست درج ذیل تین سوال ہیں:

1. آیا ریاستیں بھی مسلم یا غیر مسلم ہو سکتی ہیں؟
2. مسلم ریاست کا صحیح تصور کیا ہے اور
3. معاصر مسلم ریاستیں کیا واقعی مسلم ریاستیں ہیں اور انہیں دار الاسلام قرار دینا درست ہے یا نہیں؟

اس تحقیقی مقالہ میں قرآن و سنت اور فقہاء امت کی آراء و فتاویٰ کی روشنی میں ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی جائے گی۔

مبحث اول: مسلم یا غیر مسلم ہونے کے اعتبار سے ریاستوں کی تقسیم

قرآن مجید کی روشنی میں ریاستوں اور ممالک کی تقسیم کے وجود کا جائزہ لینے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی آمد سے قبل ہی دنیا اس تقسیم میں منقسم تھی۔ جیسا کہ اہل کفر ہمیشہ اہل اسلام کو یہ دھمکی دیتے آئے کہ اگر تم نے توحید کو چھوڑ کر شرک وکفر کی راہ نہ اپنائی تو ہم تمہیں اپنی ریاست سے بے دخل کر دیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے ان کی آزاد ریاست کا وعدہ کرتے ہوئے دشمنوں کی ہلاکت کی خبر دی۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ (13) وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذَلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ﴾[2]

اور ان لوگوں نے جنھوں نے کفر کیا، اپنے رسولوں سے کہا ہم ہر صورت تمھیں اپنی زمین سے نکال دیں گے، یا لازماً تم ہماری ملت میں واپس آؤ گے، تو ان کے رب نے ان کی طرف وحی کی کہ یقیناً ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے۔ اور یقیناً ان کے بعد ہم تمھیں اس زمین میں ضرور آباد کریں گے، یہ اس کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور میری وعید سے ڈرا۔

اس آیت میں جہاں کفار کی طرف سے اپنے نبیوں کو دیارِ کفر سے نکالنے کی دھمکی کا ذکر ہے، وہیں دیارِ کفر کے دیارِ اسلام میں تبدیل کیے جانے کے ربانی وعدہ کا بھی اعلان ہے۔ اسی طرح سورۃ الاعراف میں شعیب علیہ السلام کی قوم کا شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اپنے دیار سے نکالنے کا اعلان یوں ذکر کیا گیا ہے:

﴿قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَاشُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ﴾[3]

شعیب علیہ السلام کی قوم میں سے ان سرداروں نے کہا جو بڑے بنے ہوئے تھے، اے شعیب! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ہمراہ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی سے ضرور ہی نکال دیں گے، یا ہر صورت تم ہمارے دین میں واپس آؤ گے۔ اس نے کہا اور کیا اگرچہ ہم ناپسند کرنے والے ہوں؟

اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کو ان کی قوم سے متعلق مختلف ہدایات دیتے ہوئے "دار الفاسقین" کے قبضہ میں آنے کا مژدہ سناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ﴾[4]

اور ہم نے اس (موسیٰ) کے لیے تختیوں میں ہر چیز کے بارے میں نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، پھر (اسے حکم دیا کہ) انھیں قوت کے ساتھ پکڑ اور اپنی قوم کو حکم دے کہ ان کی بہترین باتوں کو پکڑے رکھیں، عنقریب میں تمھیں نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث سے بھی دار الاسلام یا دار الھجرۃ اور دار الکفر یا دار الشرک کی تقسیم پر راہنمائی ملتی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں بریدہ τ کی مفصل حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی آدمی کو کسی لشکر یا سریہ کا امیر بناتے تو آپ اسے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے کہ جب تمہارا اپنے دشمن مشرکوں سے مقابلہ ہو جائے تو ان کو مندرجہ ذیل تین باتوں کی دعوت دینا، پھر ان تینوں میں سے وہ جس کو بھی مان لیں ،وہی تم ان سے قبول کر کے ان کے ساتھ جنگ سے رک جانا۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے:

" ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ، فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ، وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ، وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ، فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ، يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ "[5]

انہیں اسلام کی دعوت دو تو اگر وہ تیری بات یعنی اسلام کو قبول کر لیں تو ان سے جنگ نہ کرنا۔ پھر ان کو دعوت دینا کہ اپنا شہر {دار الکفر} چھوڑ کر مہاجرین کے شہر {دار الاسلام، دار المہاجرین} میں چلے جائیں اور ان کو بتا دینا کہ اگر وہ اس طرح کر لیں تو جو مہاجرین کو حقوق مل رہے ہیں، وہ انہیں بھی ملیں گے اور ان کی وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں ۔ اور اگر وہ اس منتقلی سے انکار کر دیں تو انہیں خبر دے دو کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہو گا اور ان پر اللہ کے وہ احکام جاری ہوں گے جو کہ مومنوں پر جاری ہوتے ہیں اور انہیں جہاد کیے بغیر مال غنیمت اور مال فئے میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ کو "دار المہاجرین" قرار دے رہے ہیں اور نئے مسلمان ہونے والے لوگوں سے یہ تقاضا کرنے کا حکم دے رہے ہیں کہ وہ اپنا علاقہ یعنی "دار الکفر" چھوڑ کر مسلمانوں کے علاقہ یعنی "دار الاسلام" میں منتقل ہو جائیں جہاں اقتدار، غلبہ اور سلطہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ یاد رہے

کہ مدینہ منورہ "دارالاسلام "تب ہی بنا تھا جب یہاں پر اقتدار، غلبہ اور سلطہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا ورنہ اس سے قبل مدینہ بھی "دارالکفر "یا" دار الشرک "ہی تھا، جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

" إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ لِأَنَّهُمْ هَجَرُوا الْمُشْرِكِينَ، وَكَانَ مِنَ الْأَنْصَارِ مُهَاجِرُونَ لِأَنَّ الْمَدِينَةَ كَانَتْ دَارَ شِرْكٍ، فَجَاءُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ "[6]

رسول کریم ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما مہاجرین میں سے تھے کیونکہ انہوں نے مشرکین کو چھوڑ دیا تھا اور انصار میں سے بھی کچھ لوگ مہاجر تھے اس لئے کہ مدینہ "دارِ شرک" تھا، تو وہ مدینہ چھوڑ کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لیلہ عقبہ کو حاضر ہو گئے تھے۔

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب ریاستوں کی مذہب اور عقیدہ کی بنیاد پر تقسیم کے قائل تھے اور ان کے نزدیک کسی بھی علاقہ میں جب تک غلبہ اور قوت نافذہ اہل اسلام کے ہاتھوں میں نہ ہو تب تک وہ علاقہ یا ریاست مسلم ریاست یا داراسلام قرار نہیں پاتا تھا۔

مبحث دوم: مسلم ریاست اور اس کے بنیادی اوصاف

مسلم ریاست یا دارالاسلام سے مراد ایسا علاقہ ،ریاست یا ملک ہے جہاں اقتدار اعلی کا مالک بلاشرکت غیرے اللہ تعالی کی ذات بابرکات کو مانا جاتا ہو نیز حکومت، سلطہ، قوت اور اختیار واقتدار اہل اسلام کے پاس ہو کہ انہیں اسلامی احکام نافذ کرنے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دینے اور اپنا دفاع کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ کا سامنا نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں جس ریاست میں اسلامی احکام غالب ہوں اور اس کے قائدین وحکام مسلمان ہوں وہ دارالاسلام ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ وہ علاقہ لڑ کر فتح کیا گیا ہو، یا اس کے رہنے والوں نے از خود خوشی سے اسلام قبول کر لیا ہو یا جزیہ دے کر اسلامی حکومت کی عملداری کو تسلیم کیا ہو۔ اسی طرح کوئی ضروری نہیں کہ اس کے تمام یا اکثر شہری مسلم ہوں بلکہ ممکن ہے کہ وہ تمام یا اکثر غیر مسلم ذمی ہوں جیسے خیبر کی فتح کے بعد خیبر کا علاقہ دارالاسلام کا حصہ قرار پایا تھا، جبکہ اس کے شہری اپنے قدیم مذہب یہودیت پر ہی قائم تھے۔

کسی بھی ریاست کے دارالاسلام ہونے کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ علاقہ مسلمانوں کے زیر تسلط ہو، وہاں مسلمان بے خوفی کے ساتھ اپنے دینی شعائر پر عمل کر سکتے ہوں، وہاں اگرچہ کافر بھی رہتے ہوں لیکن

وہ مسلمانوں کی امان میں زندگی بسر کر رہے ہوں۔ اذان، نماز باجماعت، جمعہ، عیدین اور دیگر اسلامی شعائر پر کوئی روک ٹوک یا قدغن عائد نہ ہو۔ اذان اور جماعت اس ضمن میں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں، اسی لیے رسول اللہ ﷺ جب کسی علاقہ پر حملہ کرنا چاہتے تو فجر طلوع ہونے تک رک جاتے، اگر اذان کی آواز سنتے تو حملہ نہ کرتے اور اگر اذان سنائی نہ دیتی تو آپ اس بستی پر حملہ کر دیتے تھے، جیسا کہ سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں:

" أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا، لَمْ يَكُنْ يَغْزُو بِنَا حَتَّى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ، فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ، وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ " [7]

بلاشبہ نبی ﷺ جب ہمیں ساتھ لے کر کہیں جہاد کے لیے تشریف لے جاتے، تو صبح ہونے تک حملہ نہیں کرتے تھے، آپ انتظار کرتے تھے پھر اگر آپ اذان کی آواز سن لیتے تو حملہ کا ارادہ ترک کر دیتے اور اگر اذان کی آواز سنائی نہ دیتی تو آپ اس پر حملہ کر دیتے تھے۔

جمہور علمائے امت کا موقف بھی یہی ہے کہ اگر کسی علاقے میں بنیادی شعائر اسلامیہ قائم ہوں، مسلمان سیاسی طور پر قوت واقتدار کے حامل ہوں، تو وہ علاقہ دارالاسلام ہی قرار پائے گا۔ چنانچہ امام ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" قال الجمهور: دار الإسلام هي التي نزلها المسلمون وجرت عليها أحكام الإسلام "[8]

جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ دارالاسلام وہ علاقہ ہے جہاں مسلمان رہتے ہوں اور وہاں اسلامی احکام جاری ہوں۔

امام ابن حزم الظاہری رحمہ اللہ[9] کے نزدیک دار الاسلام یا دار الکفر کے معاملہ میں غلبہ، حکومت اور اقتدار بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، یعنی جس علاقے پر کفار یا مسلمین میں سے جس کے پاس غلبہ، اختیار اور قوتِ نافذہ ہو گی، علاقہ اسی کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا۔ اعتبار صرف اسی امر کا ہو گا، کسی فریق کی قلت یا کثرت کا نہیں، چنانچہ وہ اس قضیہ کو بڑے مختصر اور جامع انداز میں واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" وإذا كان أهل الذمة في مدائنهم لا يمازجهم غيرهم فلا يسمى الساكن فيهم لإمارة عليهم، أو لتجارة بينهم: كافرا، ولا مسيئا، بل هو مسلم حسن، ودارهم دار إسلام، لا دار شرك، لأن الدار إنما تنسب للغالب عليها، والحاكم فيها، والمالك لها "[10]

اگر اہل ذمہ اپنے شہروں میں یوں رہتے ہوں کہ ان میں کوئی اور {مسلم مستقل طور پر} ان کے ساتھ نہ رہتا ہو تو ایسا مسلمان جو ان کے درمیان عامل ہونے کی وجہ سے یا تجارت کی خاطر سکونت پذیر ہو تو اسے کافر یا گنہگار

نہیں کہا جائے گا، بلکہ وہ نیک مسلم ہی شمار ہو گا اور ان کا علاقہ دار شرک نہیں بلکہ دارالاسلام ہی قرار پائے گا کیونکہ علاقہ اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جو اس پر غالب ہو، حاکم ہو اور مالک ہو۔

حافظ ابو بکر الاسماعیلی رحمہ اللہ بھی کسی علاقے کو دار الاسلام یا دار الکفر قرار دینے کے معاملے میں اہل سنت والجماعت کا یہی منہج بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ویرون الدار دار اسلام ، لا دار کفر -کما رأته المعتزلة - مادام النداء بالصلاة و الإقامة بها ظاهرين ، وأهلها ممكنين منها آمنين" [11]

معتزلہ کے برعکس اہل السنہ کے نزدیک جب تک کسی علاقے میں نماز واقامت کا اہتمام ہو رہا ہو، مسلمانوں کو وہاں سیاسی طور پر غلبہ حاصل ہو، اور وہ اس علاقے میں امن وامان کے ساتھ رہائش پذیر ہوں، تب تک وہ علاقہ دارالاسلام ہی قرار پائے گا۔

مذکورہ بالا بحث کو واضح کرنے میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ[12] کی رائے خلاصہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"الاعتبار بظهور الكلمة ، فإن كانت الأوامر والنواهي في الدار لأهل الإسلام بحيث لا يستطيع من فيها من الكفار أن يتظاهر بكفره إلا لكونه مأذونا له بذلك من أهل الإسلام فهذه دار إسلام ، ولا يضر ظهور الخصال الكفرية فيها لأنها لم تظهر بقوة الكفار ولا بصولتهم كما هو مشاهد في أهل الذمة من اليهود والنصارى والمعاهدين الساكنين في المدائن الإسلامية ، وإذا كان الأمر العكس فالدار بالعكس۔"[13]

کسی علاقے کو دار الاسلام یا دار الکفر قرار دینے میں کلمہ کے غالب ہونے کا ہی اعتبار کیا جائے گا، اگر اس علاقے میں امر و نہی کا اختیار اہل اسلام کے پاس اس طرح ہو کہ کفار مسلمانوں کی اجازت کے بغیر اپنے کفر کو ظاہر نہ کر سکتے ہوں تو یہ علاقہ دارالاسلام ہو گا، اور کافرانہ عادات کا ظہور، جیسا کہ یہود و نصاریٰ اور ان ذمیوں کی طرف سے دیکھنے میں آیا ہے جو اسلامی شہروں میں رہائش پذیر ہیں، اس کی اس حیثیت کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا ، کیونکہ ان کا ظہور کفار کے غلبہ اور قوت کی وجہ سے نہیں ہے۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو وہ علاقہ دار الکفر قرار پائے گا۔

چونکہ یہ مسئلہ کہ کوئی بھی ریاست کن بنیادی اوصاف کی بناء پر مسلم ریاست قرار پائے گی؟ انتہائی اہم اور حساس مسئلہ ہے، اس لیے اس پر مذاہب اربعہ کے اہل علم کا موقف ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

مسلم ریاست فقہائے احناف کی نظر میں

فقہائے احناف نے دارالاسلام اور دارالکفر کے مسئلہ کو واضح کرنے پر بہت لکھا ہے۔ بعض اہل علم نے اس سلسلہ میں سلطہ، غلبہ اور اقتدار کو بنیاد قرار دیا ہے، بعض نے اس کی علامات جیسے اسلامی احکام و شعائر کے ظہور کو بنیاد قرار دیا ہے جبکہ بعض نے ان دونوں بنیادوں کو بیک وقت بیان کیا ہے۔ ائمہ احناف کے سرخیل ، شمس الائمہ امام محمد بن احمد سرخسی اس سلسلہ میں سلطہ، غلبہ اور اقتدار کو بنیاد قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" ۔ ۔ ۔ لأن البقعة إنما تنسب إلينا أو إليهم باعتبار القوة والغلبة، فكل موضع ظهر فيه حكم الشرك فالقوة في ذلك الموضع للمشركين فكانت دارحرب، وكل موضع كان الظاهر فيه حكم الإسلام فالقوة فيه للمسلمين "[14]

کوئی بھی علاقہ ہماری طرف یاان کفار کی طرف قوت اور غلبہ کی بنیاد پر ہی منسوب کیا جائے گا، سو ہر وہ جگہ جہاں شرک کی حکومت ہو، مشرکین کے پاس قوت ہو تو وہ علاقہ دار حرب ہو گا۔ اور ہر وہ علاقہ جہاں اسلامی احکامات غالب ہوں تو اس میں قوت واقتدار مسلمانوں کے پاس ہو گا یعنی ایسا علاقہ دارالاسلام کہلائے گا۔

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ غلبہ اور اقتدار کے ساتھ دینی احکامات کے اجراء کو بھی دارالاسلام کے لیے بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أنَّ حكم الدار إنما يتعلق بالظهور والغلبة، وإجراء حكم الدين بها، والدليل على صحة ذلك: أنا متى غلبنا على دار الحرب، وأجرينا أحكامنا فيها: صارت دار الإسلام، سواء كانت متاخمة لدار الإسلام أو لم تكن، فكذلك البلد من دار الإسلام، إذا غلب عليه أهل الكفر، وجرى فيه حكمهم: ووجب أن يكون من دار الحرب"[15]

دار کے حکم کا تعلق قوت و غلبہ اور اس علاقے میں دین کے احکامات کو جاری کرنے کے ساتھ ہے۔ اس دعوی کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ ہم مسلمان جب دارالحرب پر غلبہ پاکر اس میں اپنے قوانین جاری کر لیتے ہیں تو وہ دارالاسلام بن جاتا ہے، اس بات سے قطع نظر کہ وہ دارالاسلام سے متصل ہے یا نہیں۔ اسی طرح دارالاسلام کے شہروں میں سے کسی شہر پر اگر اہل کفر غالب آجائیں اور اس شہر پر اپنے قوانین نافذ کر لیں تو لازم ہے کہ اسے دارالحرب ہی قرار دیا جائے۔

فقہ حنفی کی معتمد کتاب "بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع "میں علامہ کاسانی رحمہ اللہ دارالاسلام اور دارالکفر کی بحث کا آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" لا خلاف بين أصحابنا في أن دار الكفر تصير دار إسلام بظهور أحكام الإسلام

فيها"[16]

ہمارے اصحاب کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دارالکفر میں اسلامی احکام کے غلبہ کے ساتھ دارالکفر دارالاسلام میں بدل جاتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی ریاست میں اسلامی احکام کے غلبہ سے کیا مراد ہے؟اس بات کو واضح کرتے ہوئے صاحبِ "الدر المختار "فرماتے ہیں:

"ودار الحرب تصير دار الاسلام بإجراء أحكام أهل الاسلام فيهاكجمعة وعيد"[17]

اہل اسلام کے احکام جیسے جمعہ اور عید کے اجراء کے ساتھ دارالحرب دارالاسلام بن جاتا ہے۔

یعنی اگر کسی ریاست میں مسلمانوں کو اپنے مذہبی شعائر جیسے جمعہ ،جماعت،اذان اور عیدین وغیرہ کے قیام واجراء میں کسی پابندی کا سامنا نہ ہو اور انہیں اپنی عبادات میں کھلی آزادی میسر ہو تو ایسی ریاست بجا طور پر دارالاسلام کہلانے کی حقدار ہے۔

مسلم ریاست فقہائے مالکیہ کی نظر میں

فقہائے مالکیہ کے ہاں کسی علاقہ کے دارالاسلام ہونے میں دو موقف ملتے ہیں۔پہلے موقف کے مطابق دارالاسلام وہ علاقہ ہے جہاں اہل اسلام کو کسی دشمن کا خوف نہ ہو جبکہ دارالحرب وہ علاقہ ہے جہاں دشمن کا خوف ہو، بھلے وہ علاقہ دار الکفر میں سے ہو یا دارالاسلام میں سے۔ چنانچہ مشہور مالکی فقیہ امام دسوقی رحمہ اللہ دارالحرب اور دارالسلام میں قصر نماز کے مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" المراد بها(بدار الحرب) المحل الذي يخاف فيه العدو سواء كانت دار كفر أو إسلام وأما

لو أقام العسكر بدار الإسلام والمراد به المحل الذي لا يخاف فيه من العدو فإنه يتم۔"[18]

دارالحرب سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں دشمن کا ڈر ہو، بھلے وہ علاقہ دار الکفر کا حصہ ہو یا دارالاسلام کا،اور اگر لشکر دارالاسلام میں قیام پذیر ہو تو وہ نماز مکمل پڑھے گا۔دارالاسلام سے مراد وہ علاقہ ہے کہ جہاں دشمن کا ڈر نہ ہو۔ یہی بات شیخ علیش مالکی نے اپنی تالیف "منح الجليل شرح مختصرخليل" میں لکھی ہے[19]

۔دوسرے موقف کے مطابق دارالاسلام وہ علاقہ ہے جہاں اذان وغیرہ کا اہتمام ہوتا ہو کیونکہ اذان کی آواز کا بلند ہونا مسلمانوں کے غلبہ و سیادت کی دلیل ہے۔اس بات کی صراحت بہت سے مالکی فقہاء نے اپنی اپنی

تالیفات میں کی ہے، چنانچہ معروف مالکی فقیہ، شارحِ موطا امام مالک، ابنِ عبد البر المالکی رقمطراز ہیں:

" ولا أعلم خلافا في وجوب الأذان جملة على أهل الأمصار لأنه من العلامة الدالة المفرقة بين دار الإسلام ودار الكفر .كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا بعث سرية يقول لهم ((إِذَا سَمِعْتُمُ الْأَذَانَ فَأَمْسِكُوا وَكُفُّوا وَإِنْ لَمْ تَسْمَعُوا الْأَذَانَ فَأَغِيرُوا))"[20]

میرے علم کے مطابق تمام شہروں کے رہنے والوں پر اذان کے واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ دارالاسلام اور دارالکفر کے درمیان فرق کرنے والی علامت ہے، رسول اللہ ﷺ جب کوئی لشکر روانہ کرتے تو انہیں فرماتے: جب تم کسی علاقے میں اذان سن لو تو رک جاو اور حملہ نہ کرو، اور اگر اذان نہ سنو تو حملہ کر گزرو۔

مسلم ریاست فقہائے شافعیہ کی نظر میں

فقہائے شافعیہ کے نزدیک کسی بھی علاقے کے دارالاسلام ہونے میں اس بات کا اعتبار ہو گا کہ وہاں غلبہ، اقتدار اور سلطہ کس کے پاس ہے؟ کوئی بھی علاقہ جو مسلم حاکم وامام کے زیرِ نگیں ہو گا "دار الاسلام" ہی کہلائے گا، چاہے اس میں ایک بھی مسلم موجود نہ ہو۔ چنانچہ شافعیہ کے شیخ، امام رافعی رحمہ اللہ واضح طور پر رقمطراز ہیں؛

" ليس من شرط دار الإسلام أن يكون فيها مسلمون، بل يكفي كونها في يد الإمام واستيلائه."[21]

کسی علاقہ کے دار السلام ہونے کی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اس میں مسلمان بستے ہوں بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ وہ علاقہ مسلم حاکم کے قبضے اور کنٹرول میں ہو۔

علماءِ شافعیہ بلاد اسلام کو مزید واضح کرتے ہوئے انہیں مندرجہ ذیل تین قسموں میں تقسیم کرتے ہیں:[22]

- وہ شہر جنہیں مسلمانوں نے خود بسایا ہو، جیسے بغداد وبصرہ
- جن شہروں کے لوگ از خود مسلمان ہو گئے ہوں، جیسے مدینہ طیبہ اور یمن
- جن شہروں اور علاقوں کو مسلمانوں نے طاقت کے زور پر لڑ کر فتح کیا ہو یا باہم مصالحت سے اس کا کنٹرول حاصل کر لیا ہو جیسے خیبر، مصر اور عراق کے بیشتر علاقے

موخر الذکر قسم کو امام ماوردی رحمہ اللہ، جو فقہائے شافعیہ میں نمایاں مقام کے حامل ہیں، مزید تفصیل سے بیان

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جس زمین پر مسلمانوں کا جہاد کے ذریعے غلبہ اور قبضہ ہو جائے، اس کی تین قسمیں ہیں: پہلی وہ جو زبردستی، قوت اور جنگ کے ساتھ قبضہ میں لے لی جائے اور اس کے مالک کافروں کو قتل، قید یا جلاوطنی کی صورت میں اس سے بے دخل کر دیا جائے۔ چونکہ یہ زمین اب مسلمانوں کی ملکیت ہو گئی ہے تو اب اس پر مسلمان خود رہیں یا مشرکین کو رہنے کی اجازت دے دیں، ہر دو صورتوں میں یہ دارالاسلام ہی ہو گی اور مشرکوں کے حق میں اس زمین سے دست بردار ہونا جائز نہ ہو گا کہ کہیں یہ دوبارہ سے دارالحرب نہ بن جائے۔ دوسری قسم کی زمین وہ ہے جو کفار کے ڈر کر بھاگ جانے کی وجہ سے بغیر کسی دشواری کے مسلمانوں کے قبضے میں آجائے۔ ایسی زمین قبضے میں آتے ہی وقف ہو گی اور دارالسلام قرار پائے گی۔ جبکہ تیسری قسم کی زمین وہ ہے جس پر صلح کے ساتھ اس شرط پر غلبہ حاصل ہو کہ زمین بدستور کفار کے پاس رہنے دی جائے گی اور وہ اس پر خراج ادا کریں گے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ صلح اس شرط پر ہو کہ مسلمان زمین کے مالک ہوں گے تو اس صورت میں یہ زمین دارالاسلام کی وقف زمین ہو گی۔ دوسری یہ کہ صلح اس شرط پر ہو کہ کافر اس زمین کے مالک ہوں گے اور ان پر خراج مقرر کیا جائے گا جو وہ ادا کریں گے تو اس صورت میں یہ خراج جزیہ کے حکم میں ہو گا، اور اگر وہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو یہ خراج ان سے ساقط ہو جائے گا۔ اس صورت میں (شوافع کے نزدیک) یہ زمین نہ دارِ اسلام ہو گی اور نہ دارِ کفر، بلکہ یہ علاقے دارِ عہد ہوں گے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ یہ زمین صلح کے ساتھ دار الاسلام بن جائے گی اور یہاں کے رہنے والے ذمی ہوں گے کہ جن سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے۔"[23]

مذکورہ بالا تمام تفصیلات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ شوافع کے نزدیک کسی بھی علاقے پر غلبہ کا حصول، چاہے وہ کسی بھی صورت میں حاصل ہو جائے، اس علاقے کو دارالاسلام بنا دیتا ہے، چاہے اس میں مسلمان سکونت اختیار کریں یا نہ کریں اور اس علاقے میں احکامِ اسلام اور حدود اللہ کا نفاذ ہو یا نہ ہو۔ صرف ایک صورت ہے کہ جس میں زیرِ غلبہ علاقہ شوافع کے نزدیک دارِ عہد قرار پاتا ہے اور احناف کے نزدیک دارِ اسلام اور وہ یہ کہ صلح اس شرط پر ہو کہ کافر اس زمین کے مالک ہوں گے اور ان پر خراج مقرر کیا جائے گا جو وہ ادا کریں گے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شوافع کے نزدیک دیار ان تین قسموں پر مشتمل ہیں:

1-دارِ اسلام 2-دارِ کفر 3-دارِ عہد۔

مسلم ریاست فقہائے حنابلہ کی نظر میں

فقہائے حنابلہ کے نزدیک بھی کسی علاقے کے دارالاسلام ہونے میں غلبہ اور تسلط کا اعتبار ہو گا اور اس کے لیے دیکھا جائے گا کہ وہاں کس کے احکام غالب ہیں؟ کفار یا مسلمین میں سے جس کے احکام غالب ہوں گے، علاقہ کی نسبت اسی کی طرف کی جائے گی۔ اگر اسلامی احکامات غالب ہیں تو علاقہ دارِ اسلام کہلائے گا اور اگر کفر و شرک کے احکامات غالب ہیں تو ایسا علاقہ دارِ کفر قرار پائے گا۔ چنانچہ شیخ الحنابلہ قاضی ابو یعلیٰ حنبلی[24] فرماتے ہیں:

" وكل دار كانت الغلبة فيها لأحكام الاسلام دون الكفر فهي دار الإسلام وكل دار كانت الغلبة فيها لأحكام الكفر دون أحكام الإسلام فهي دار الكفر "[25]

ہر وہ ریاست جہاں کفر کی بجائے احکامِ اسلام کو بالادستی حاصل ہو گی، دار الاسلام ہو گی۔ اور ہر وہ ریاست جہاں اسلامی احکام کی بجائے کفریہ احکام کو غلبہ حاصل ہو گا تو وہ دارالکفر ہو گی۔

اسی بات کو ایک اور انداز سے واضح کرتے ہوئے معروف حنبلی فقیہ ابن مفلح المقدسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" فكل دار غلب عليها أحكام المسلمين فدار الإسلام وإن غلب عليها أحكام الكفار فدار الكفر ولا دار لغيرهما "[26]

تو ہر وہ علاقہ جس پر مسلمانوں کے احکامات چلتے ہوں، دارالاسلام ہو گا۔ اور اگر اس پر کافروں کے احکامات جاری ہوں تو دار الکفر قرار پائے گا، اور دار الاسلام و دار الکفر کے علاوہ کوئی تیسرا دار (یعنی دارالفسق وغیرہ) نہیں ہے۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ[27] فقہ حنبلی کی مشہور کتاب "زاد المستقنع فی اختصار المقنع" کی شرح "الشرح الممتع على زاد المستقنع" میں فرماتے ہیں:

" ودار الإسلام هي التي غلب عليها الإسلام ظهوراً وشيوعاً بحيث يؤذن فيها للصلاة، وتقام
فيها الجماعات، ويصام فيها رمضان ويعلن، وتظهر فيها الشعائر "[28]

دارالاسلام وہ علاقہ ہے جہاں اسلام اپنے ظاہر ہونے اور عام ہونے کے اعتبار سے اس طرح غالب ہو کہ وہاں نماز کے لیے اذان دی جاتی ہو، با جماعت نمازوں کا اہتمام کیا جاتا ہو، رمضان کے روزے اعلانیہ رکھے جاتے ہوں

اور اس میں اسلامی شعائر عام ظاہر ہوں۔

مذکورہ بالا اقوال سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حنبلی فقہاء کے نزدیک بھی کسی علاقہ کے دارالاسلام ہونے کے لیے اہل اسلام کا غلبہ وسلطہ اور اقتدار کا حامل ہونا ضروری ہے لیکن اس کے لیے صرف حکومتی کنٹرول ہی نہیں دیکھا جائے گا کہ کس کا ہے؟ بلکہ اسلامی احکامات کا نفاذ بھی دیکھا جائے گا۔اور اس سلسلے میں کم از کم اتنا ضروری ہے کہ اس علاقہ و ریاست میں ظاہری اسلامی شعائر مثلا اذان، نماز، جمعہ، عیدین اور صیام رمضان وغیرہ کا اہتمام بغیر کسی روک ٹوک، جھجھک اور ہچکچاہٹ کے اعلانیہ طور پر کیا جارہا ہو۔

مسلم ریاست معاصر علماء کی نظر میں

معاصر علماء نے بھی کسی علاقہ کے دارالاسلام ہونے میں اہل اسلام کے سلطہ، غلبہ، قوتِ نافذہ اور اقتدار کا اعتبار کیا ہے، چنانچہ مشہور مصری مفکر شیخ محمد ابو زہرہ کے خیال میں جس ریاست میں قوت اور سلطہ مسلمانوں کے پاس ہو اور ان کے حکمران کا فیصلہ چلتا ہو تو ایسی ریاست مسلم ریاست قرار پائے گی ۔وہ فرماتے ہیں:

"دارالإسلام هي الدولة التي تحكم بسلطان المسلمين، وتكون المنعة والقوة فيها للمسلمين[29]"

دار الاسلام وہ ریاست ہے جس میں مسلمانوں کے سلطان کا فیصلہ چلتا ہے اور اس میں قوت اور سلطہ مسلمانوں کا ہوتا ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے خیال میں جہاں مسلمان اپنی سیاسی حیثیت کی بنیاد پر اسلامی احکامات کے نفاذ پر قدرت رکھتے ہوں، وہ علاقہ مسلم ریاست قرار پائے گا، وہ لکھتے ہیں:

’’دارالاسلام وہ مملکت ہے جہاں مسلمانوں کو ایسا سیاسی موقف حاصل ہو کہ وہ تمام احکام اسلامی کے نفاذ پر قادر ہوں۔‘‘[30]

مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کے نزدیک مسلمانوں کے زیر قبضہ ایسا ملک مسلم ریاست کہلائے گا کہ جس پر قانون بنانے اور نافذ کرنے کے معاملہ میں ان کے پاس اختیار ہو۔چنانچہ وہ دار الاسلام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’دارالاسلام سے مراد وہ ملک ہے جو مسلمانوں کے قبضے میں ہو، اور اس پر ان کا مکمل تسلط اس طرح قائم ہو کہ

وہاں انہی کے احکام جاری اور نافذ ہوں" [31]

وہ مزید توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے تسلط کے باوجود اگر مسلمان حکمران وہاں شریعت نافذ نہ کر سکیں لیکن اقتدار انہی کے ہاتھوں میں ہو تو ریاست دارالاسلام ہی قرار پائے گی، فرماتے ہیں:

"اگرچہ مسلمانوں کے تسلط میں ہونے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اس ملک میں تمام احکام اسلامی شریعت کے مطابق جاری ہوں، لیکن اگر مسلمان حکمرانوں کی غفلت سے اس میں شریعت کا مکمل نفاذ نہ ہو، تب بھی اگر اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو تو اسے دارالاسلام ہی کہا جائے گا۔" [32]

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی علاقے یا ریاست پر دارالاسلام یا مسلم ریاست کا حکم لگانے میں چاروں مکاتبِ فکر کے ائمہ اور قدیم وجدید فقہائے امت کے درمیان کوئی جوہری اختلاف نہیں ہے بلکہ ان سب کی آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"وہ علاقہ داراسلام یا مسلم ریاست قرار پائے گا جہاں سلطہ، غلبہ اور اقتدار مسلمانوں کے پاس ہو، مسلمانوں کو ان کے اسلام کی وجہ سے کسی قسم کا خوف نہ ہو بلکہ وہ امن وامان سے زندگی بسر کر رہے ہوں، بنیادی اسلامی احکام نافذ ہوں اور اذان، نماز، جمعہ، عیدین، اور صیام رمضان جیسے ظاہری شعائر کا اہتمام بغیر کسی روک ٹوک، جھجھک اور ہچکچاہٹ کے اعلانیہ طور پر کیا جا رہا ہو، نیز جہاں مسلمان حدود اللہ اور دیگر اسلامی قوانین کے نفاذ میں آزاد ہوں۔ اور یہی اوصاف ہی کسی مسلم ریاست کے بنیادی وجوہری اوصاف قرار پاتے ہیں"

یہ بات بھی بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ مذاہبِ اربعہ کے کسی بھی قابل ذکر عالم وفقیہ نے یہ شرط نہیں لگائی کہ دارالاسلام تبھی دارالاسلام قرار پائے گا جب اس میں اسلام کے تمام بڑے، چھوٹے احکامات اور حدود کا مکمل نفاذ ہو جائے گا، بلکہ اس کی صورت ان سب کے نزدیک ایسے ہی ہے جیسے کسی آدمی پر اسلام کا حکم لگانے کی ہوتی ہے کہ اس کے مسلمان ہونے کے لیے کسی عالم کے نزدیک بھی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اسلام کے تمام احکامات پر عمل پیرا ہو گا تو ہی مسلم قرار پائے گا ورنہ اس پر کفر کا حکم لگا دیا جائے گا۔ حتی کہ کفریہ امور اور کبائر کا مرتکب شخص بھی اہل سنت والجماعت کے نزدیک تب تک مسلم ہی شمار کیا جائے گا جب تک وہ اسلامی احکامات کا کھلے عام انکار اور اسلام سے کھلے عام براءت کا اعلان نہیں کرتا۔

مبحث سوم: موجودہ مسلم ممالک کا دار الاسلام یا دار الکفر ہونے کے حوالہ سے شرعی حکم

سابقہ مبحث میں بڑی تفصیل سے کسی مسلم ریاست یا دار الاسلام کے متعلق علماء کے مواقف ذکر کیے گئے ہیں۔ اس مبحث میں موجودہ مسلم ممالک، ان کے حکام اور قوانین کو سامنے رکھتے ہوئے شریعت اسلامی کی روشنی میں یہ دیکھنے کی کوشش کی جائے گی کہ یہ ممالک اپنے موجودہ قانونی وانتظامی ڈھانچے کی بنیاد پر دار اسلام ہیں یا دار کفر ؟

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ مسلم ممالک میں رائج جمہوریت یا ملوکیت کے نظام، وضعی قوانین کے نفاذ، حدود اللہ کے قیام میں تعطل یا سستی، غیر مسلم ممالک کے ساتھ انتہائی قریبی دوستانہ تعلقات۔۔۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں کہ جو ان لوگوں کی بڑی دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں جو ان ممالک کو دار کفر قرار دیتے ہیں اور اس بنیاد پر ان ممالک کے خلاف جہاد کے نام پر قتل وغارت اور دہشت گردی کی انتہائی ظالمانہ کارروائیاں سر انجام دیتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن و سنت اور فہم سلف صالحین کی روشنی میں اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح واضح کیا جائے تا کہ مسلمانوں کا باہمی قتال اور فتنہ رک سکے۔ اس وقت موجود مسلم ممالک کے دار اسلام یا دار کفر ہونے کے حوالہ سے امت میں مندرجہ ذیل تین مواقف پائے جاتے ہیں:

1. اس وقت موجود مسلم ممالک دار کفر کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔
2. موجودہ مسلم ممالک نہ دار اسلام ہیں اور نہ دار کفر، بلکہ یہ دار مرکبہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔
3. موجودہ مسلم ممالک اپنے رائج نظاموں اور قوانین کے باوجود دار اسلام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ذیل میں ان تینوں مواقف کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ آخر میں راجح موقف کی نشاندہی اور اس کی ترجیح کے اسباب بھی پیش کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالی

پہلا موقف

اس موقف کے قائلین کے نزدیک اس وقت موجود مسلم ممالک چونکہ وضعی قوانین کے تحت اپنا نظام حکومت چلا رہے ہیں اس لیے وہ دیار کفر ہیں، یہ لوگ اپنے موقف میں اس حد تک غلو اور تشدد کا شکار ہیں کہ ان کے خیال میں نائن الیون سے قبل افغانستان میں قائم طالبان کی امارت اسلامی، جو کہ اسلام کو اپنا دستور و منشور قرار دیتی تھی اور اس نے پوری دنیا کی مخالفت مول لے کر افغانستان میں حدود اللہ کا باقاعدہ نفاذ کر رکھا تھا،

چونکہ دیگر ممالک کے ساتھ خارجی تعلقات کے ضمن میں پوری طرح اسلامی احکام کی پاسداری نہیں کر رہی تھی اور ان کے امیر ملا محمد عمر کو اجماع امت کی تائید اور اعیان امت کی بیعت حاصل نہ تھی، اس لیے وہ امیر المومنین کے لقب کے مستحق نہ تھے اور ان کے زیر قبضہ و تسلط افغانستان دار اسلام نہیں بلکہ دار کفر تھا۔[33] اسی مذہب کی حامل جماعت حزب التحریر کے تعارفی رسالہ میں تمام مسلم ممالک کے بارے میں برملا لکھا ہوا ہے:

" وبلاد المسلمين اليوم لا يوجد فيها بلد ولا دولة تطبق أحكام الاسلام فى الحكم وشئون الحياة لذلك فإنها كلها تعتبر دار كفر ولوكان أهلها مسلمين "[34]

اس وقت موجود مسلمانوں کے ممالک میں کوئی ایسا ملک یا ریاست نہیں ہے جو اپنی حکومت اور زندگی کے تمام معاملات میں اسلامی احکام کو نافذ کیے ہوئے ہو، اس لیے وہ تمام کے تمام کافر ممالک ہی تصور کیے جائیں گے، چاہے ان کے رہنے والے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔

اس موقف کے قائلین دین کے معاملہ میں انتہا درجہ کے غلو میں مبتلا اور تشدد و انتہا پسندی کے مریض ہونے کے ساتھ ساتھ فکری طور پر خوارج کے پیروکار ہیں۔

دوسرا موقف

اس موقف کے حاملین کی فکری بنیاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ایک فتوی ہے جو انہوں نے ایک سوال کے جواب میں ماردین[35] نامی شہر کے رہنے والوں کے متعلق اس وقت دیا تھا، جب ماردین پر تاتاریوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ تاتاریوں کے قبضہ و تسلط کے بعد کیا ماردین دار حرب ہے یا دار اسلام ؟ اور کیا وہاں رہنے والوں پر بلاد اسلام کی طرف ہجرت کرنا واجب ہے یا نہیں ؟ تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے جہاں مسلمانوں کی جانوں اور اموال کو حرام قرار دیا وہیں اسلام سے خارج دشمنوں کی مدد کو بھی حرام قرار دیا ۔انہوں نے وہاں سے بلاد اسلام کی طرف ہجرت کے بارے میں یہ فتوی دیا کہ اگر وہاں کا رہائشی اپنے دین پر عمل سے عاجز ہو تو اس پر ہجرت لازم ہو گی اور اگر ایسا نہیں تو ہجرت کرنا مستحب ہو گا، نیز یہ کہ مسلمانوں کے دشمنوں کی جانی یا مالی مدد کرنا حرام ہے اور اس سے بچنا بہر صورت واجب ہے اور اگر ان کی مدد سے بچنے کی ہجرت کے سوا کوئی اور صورت ممکن نہ ہو تو ہجرت کرنا لازم ہے۔ ماردین کے دار حرب یا دار اسلام ہونے کے متعلق انہوں نے فرمایا:

" وأما كونها دار حرب أو سلم فهي مركبة: فيها المعنيان؛ ليست بمنزلة دار السلم

التي تجري عليها أحكام الإسلام؛ لكون جندها مسلمين؛ ولا بمنزلة دار الحرب التي أهلها كفار؛ بل هي قسم ثالث يعامل المسلم فيها بما يستحقه ويقاتل الخارج عن شريعة الإسلام بما يستحقه. "[36]

رہا ماردین کا دار حرب یا دار اسلام ہونا تو وہ دار مرکب ہے۔ اس میں دو باتیں ہیں: وہ اپنے لشکر کے مسلمان ہونے کی وجہ سے نہ تو دار اسلام ہے کہ جہاں اسلام کے احکام نافذ ہوتے ہیں اور نہ ہی دار حرب کہ جہاں کے رہنے والے کافر ہوتے ہیں، بلکہ وہ ایک تیسری قسم کا علاقہ ہے کہ جہاں مسلمان کے ساتھ ویسا معاملہ کیا جائے گا جس کا وہ حقدار ہو گا، اور شریعت اسلام سے خارج یعنی کفار کے ساتھ قتال کے مستحق ہونے کی وجہ سے لڑائی لڑی جائے گی۔

مذکورہ بالا فتویٰ کو بنیاد بناتے ہوئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جس طرح موجودہ مسلم ممالک اپنے حکمرانوں اور رہنے والوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے دار کفر کے حکم میں داخل نہیں ہیں، اسی طرح وہ اپنے انتظامی ڈھانچوں، وضعی قوانین اور دیگر معاملات کی وجہ سے دار اسلام کے حکم میں بھی داخل نہیں ہیں۔ اس لیے ان میں سے ہر ایک ملک کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے زمانہ کے ماردین کی طرح ایک ایسا ملک قرار دیا جاسکتا ہے جو نہ دار اسلام ہے نہ دار کفر، بلکہ وہ کفر واسلام ہر دو سے مرکب ایک تیسری قسم کا دار ہے۔[37]

حق یہ ہے کہ اس موقف کے قائلین کا موجودہ زمانے کے مسلم ممالک کو ماردین پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، اور ایسا قیاس باطل ہوتا ہے۔ کیونکہ ماردین پر کفار قابض و متغلب تھے، اور انہی کا حکم چلتا تھا۔ شعائر اسلامیہ کا قیام اور مسلمانوں کو ملی ہوئی مذہبی آزادی ان کے حکم کے تحت تھی اور وہ جب چاہتے، اسے واپس لے سکتے تھے۔ جبکہ موجودہ مسلم ممالک پر کفار کا قبضہ و تسلط نہیں ہے بلکہ غلبہ وسیادت کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے مسلمانوں کے پاس ہے اور ان ممالک میں اسلام کے بہت سارے احکام نافذ ہیں اور جو کفریہ قوانین نافذ العمل ہیں، وہ کفار کے غلبہ اور تسلط کی وجہ سے نہیں بلکہ ان مسلم حکام کی ایمانی کمزوری کی وجہ سے ان کی اپنی مرضی کے ساتھ ہیں۔

تیسرا موقف

موجودہ مسلم ممالک کے دار اسلام یا دار کفر ہونے کے حوالہ سے تیسرا موقف تمام مسلم ممالک کا اپنے رائج نظاموں اور وضعی قوانین کے نفاذ کے باوجود دار اسلام ہونے کا ہے ۔ اس موقف کے قائلین کے مطابق اس

وقت موجود مسلم ممالک اپنے رائج نظاموں اور بعض وضعی قوانین کے نفاذ کے باوجود دار اسلام کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

راجح موقف

موجودہ مسلم ممالک کے دار اسلام یا دار کفر ہونے کے بارہ میں پیش کردہ تینوں مواقف میں سے راجح موقف تیسرا ہے کہ اس وقت موجود مسلم ممالک اپنے رائج نظاموں اور وضعی قوانین کے نفاذ کے باوجود "دار اسلام" کی حیثیت رکھتے ہیں اور انہیں دار کفر قرار دینا غلط ہے کیونکہ:

- اہل علم میں بلا اختلاف تسلیم شدہ قاعدہ ہے "بقاء ما كان على ما كان" کہ جو چیز جو ہے اسے اسی پر قائم سمجھا جائے گا جب تک اس کا تبدیل ہونا یا ختم ہونا یقینی دلائل سے ثابت نہ ہو جائے۔ اس بنیاد پر موجودہ مسلم ممالک، کہ جن کا مسلم ریاست اور دار اسلام ہونا اس پر مسلمانوں کے غلبہ اور تسلط سے ثابت ہے اور وہاں پر مسلمانوں کی حکومت اور شعائر اسلامیہ کا قیام کسی شک و شبہ سے پاک ایک مسلم حقیقت ہے، دار اسلام کی ہی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ ان سے اسلام کا زائل ہونا ایسے کسی قطعی ثبوت اور دلیل کے ساتھ ثابت نہیں ہے کہ جو اپنی قوت کے اعتبار سے ان کے دار اسلام ہونے کے مقابل ہو۔
- کسی بھی مسلم ریاست کو غیر مسلم یا کافر ریاست قرار دینے کے لیے بھی اسی طرح قواعد و ضوابط اور شرائط ہیں جیسا کہ کسی کلمہ گو مسلمان کو کافر قرار دینے کے ہیں۔ چنانچہ کسی بھی مسلم ریاست کو اس کے وضعی قوانین یا دیگر وجوہات کی بنا پر تب تک دار کفر قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک اس پر تمام قواعد تکفیر کا اطلاق، شرائط تکفیر کا تحقق اور موانع تکفیر کا انتفاء ثابت نہ ہو جائے۔ اور یہ بات حقیقت ہے کہ ان مسلم ممالک میں سے کسی پر بھی تمام قواعد تکفیر کا اطلاق، شرائط تکفیر کا تحقق اور موانع تکفیر کا انتفاء ثابت نہیں ہے۔
- چونکہ ان تمام مسلم ممالک میں شعائر اسلام اور مظاہر اسلام بلا خوف و خطر قائم ہیں اور ان پر کسی قسم کی کوئی قدغن یا پابندی عائد نہیں ہے اس لیے انہیں ان میں نافذ وضعی قوانین کی وجہ سے دار کفر قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ:
- ان وضعی قوانین کا نفاذ ان ممالک کے مسلم حکام کی ایمانی کمزوری کی وجہ سے ان کی اپنی مرضی کے ساتھ ہے ۔اور اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ کوئی کلمہ پڑھنے والا شخص اگر کلمہ پڑھنے اور کچھ ایمانی شعائر کے اہتمام کے

ساتھ کبیرہ گناہوں کا بھی ارتکاب کرتا ہے تو اسے کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

- جب کسی شخص یا ریاست میں کفر و اسلام دونوں کے احتمالات موجود ہوں تو "الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ" کی بنیاد پر جانبِ کفر کی بجائے جانبِ اسلام کو ہی ترجیح حاصل ہوگی۔

حواشی

[1] Al-Baqara:253

[2]Ibraheem:13-14

[3]Al-Araf: 88

[4]Al-Araf: 145

[5]Al-Qushairi, Muslim bin AlHajjaj, Sahih Muslim, Tahqiq: Muhammad Fuad Abdul Baqi, Dar Ihya al-Turath al-Arabi, Barut, 1st edition, 1991, Kitab ul Jihad, Hadith No.: 1731

[6]Al-Nasa'I, Ahmad bin Shoaib, Sunan, Tahqeeq: Abdul Fattah, Abu Ghuddah, Maktab al-matbua't al-Islamia, Halb, 2nd edition, 1986, Katb ul Bai'a, Hadith No.4166

[7]Al-Bukhari, Muhammad bin Ismael, Sahih al Jamea, Kitab ul Azan, Hadith No.610

[8]Ibn e Qayyem, Muhammad bin Abi Bakr, Ahkam Ahl-e-Zimma, Tahqeeq:Taha Abdul Rauf Saad, Dar ul Kutub al-Ilmia Barut, 2nd Edition:2002, 3/398

[9]- ابو محمّد علی بن احمد المعروف ابن حزم آپ 384ھ میں اندلس کے شہر قرطبہ میں پیدا ہونے اور 456 ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ ابتداء میں شافعی مذہب کے ساتھ وابستہ ہوئے لیکن بعد میں ظاہری مذہب اپنا لیا۔ آپ بہت سی کتابوں کے مولف ہیں، جن میں سرفہرست "المحلی" اور "الاحکام فی اصول الاحکام" ہیں۔{ترجمة المولف من کتاب جمهرة أنساب العرب لابن حزم بتحقیق لجنة من العلماء، الناشر: دار الکتب العلمیة بیروت، الطبعة الأولی، 1983ء، مقدمة/3}

[10]Ibn-e- Hazm, Abu Muhammad Ali, Al-Muhalla bil Athar, Dar ul Fikr, Barut, 12/126

[11] AL-Ismaeli, Ahmad bin Ibraheem, Iatiqad-o- Ahl-e-Alsunnah, Tahqeeq: Jamal Azoon, Dar Ibn e Hazm, 1st Ediion:1999, Page:56

[12]-ابو علی بدر الدین محمد بن علی شوکانی، یمن کے ایک معروف عالم، فقیہ، مفسر، مجتہد اور محدث تھے۔ اُن کا شمار اپنے دور کے ممتاز علما اور فقہا میں ہوتا ہے۔ سنہ 1173ھ میں یمن کے شہر صنعاء کے ایک قصبہ ہجرہ شوکان میں پیدا ہوئے، صنعاء میں پلے بڑھے اور پڑھے، وہیں قاضی کے عہدہ پر تعینات ہوئے اور قاضی رہتے ہوئے سنہ 1250ھ میں وفات پائی۔ وہ بے شمار کتب کے مصنف ومولف تھے۔{ الشوكاني، الفتح الرباني من فتاوى الإمام الشوكاني، محمد بن علي بن محمد اليمني (المتوفى: 1250ه-)،حققه ورتبه: محمد صبحي بن حسن حلاق، مكتبة الجيل الجديد، صنعاء، اليمن،1/23-36}

[13]Al-Shaukani, Muhammad Bin Ali, Al-Sail al-Jarrar Almutadaffaq ala Hadai'q al-Azhar, Dar Ibn e Hazm, 1st Edition:2004, P: 976

[14] Al-Sar'Khasi, Muhammad bin Ahmad, Al-Mabsoot, Dar ul Ma'arifa, Barut:1993, 10/114

[15]Al-Jassas, Ahmad bin Ali, Sharah Mukhtasar Al-Tahawi, Tahqeeq: Dr. Ismat ullah, Inayat ullah Muhammad, Dar ul Basha'er al-Islamia, 1st edition:2010, 7/216-217

[16] Al-Kasani, Ala-o-ddin Abu Bakrbin Masaood, Bada'e ul Sanae'a fi Tarteeb al-Shara'ea, Dar ul Kutab al Ilmia, 2nd edition:1986, 7/130

[17] Al-Hiskafi, Ala ul Din Muhammad bin Ali, Al-Durr ul Mukhtar Sharah Tanveer ul Absaar wa Jamea ul Bihar, Tahqeeq: Abdul Munuem Khaleel, Dar ul Kutub Al-Ilmia, 1st edition:2002, P:338

[18] Al-Dusuqi, Muhammad bin Ahmad bin Arafa, Hashia aldusuqi ala Alsharh-e-alkabeer, Dar ul Fikr, 1/364

[19]Alish, Muhammad bin Ahmad, Minh ul Jaleel Sharah Mukhtasar Khaleel, Dar ul Fikr Barut, 1/409

[20] Ibn e Abdul Barr, Yousaf bin Abdullah al-Qurtubi, Al-Istizkar, Tahqeeq: Salam Muhammad Ata & Muawwiz, Dar ul Kutub Al-Ilmia, 1st edition:2000, 1/371

[21]Al-Rafa'I, Abdul Kareem al-Qazweeni, Al-Azeez Sharah Al-Wajeez (Al-Sharh ul Kabeer), Tahqeeq: Ali Muhammad Auz, Adil Ahmad, Dar ul Kutub Al-Ilmia, 1st edition:1997, 6/404

[22]Al- Sinniki, Zakria bin Muhammad, Asna almatalib fi sharh e Rauz il Talib, Darulkitab alIslami, 2/445

Al-Bujairmi, Sulaiman bin Muhammad, Hashia tul Bujairmi ala Sharh e Manhaj altulab, 3/189

[23]Al-Mawardi, Abul HasanAli bin Muhammad, Al-Ahkam Al-Sultania, Tahqeeq: Ahmad Jad, Dar ul Hadith Al-Qahira:2006, P:21-216

24 - شیخ الحنابلہ قاضی ابویعلی حنبلی محمد بن حسین ابن الفراء(990 - 1066 م)اصول وفروع اور فنون میں اپنے زمانہ کے یکتا ماہر تھے۔ آپ دار الخلافہ اور حران وحلوان کے قاضی مقرر کیے گئے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جو اپنے اپنے فن میں ایک مقام رکھتی ہیں۔{ الذهبي، سير أعلام النبلاء، شمس الدين أبوعبد الله محمد بن أحمد، دار الحديث القاهرة،2006م،13/326}

[25] Abu Ya'ala Hanbali, Muhammad bin Hussain, Al-Mu'atamad fi Usool eddin, Tahqeeq: Dr. Wadee'a Haddad, Dar ul Mashriq, Barut, P:276

[26]Ibn e Mufleh, Muhammad, Abu Abdillah, Al-adab al-Shara'ia wal Minah il Ra'aiah, Tahqeeq: Shoaib al Arna'ut, Moassasa Al-Risalah:1999, 3rd edition, 1/211

27 - شیخ محمد بن صالح بن محمد العثیمین ۱۳۴۷ھ میں سعودیہ کے شہر عنیزہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں ہی قرآنِ مجید حفظ کر لیا تھا اور اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے نانا شیخ عبد الرحمن سلیمان الدامغ سے کیا۔ اس کے بعد شیخ علامہ عبد الرحمن بن ناصر سعدی ؒ کے حلقہ درس میں شامل ہوگئے۔ ان سے توحید، تفسیر، سیرتِ نبویہ، حدیث، نحو وصرف، فقہ ووراثت، اُصولِ فقہ اور اصولِ حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی آپ کے اساتذہ میں الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز، شیخ محمد الامین بن محمد المختار شنقیطی(مؤلف اَضواء البیان) اور شیخ عبد الرحمن بن علی بن عودان رحمہم اللہ جیسے قابل اساتذہ شامل ہیں۔ جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ہیئۃ کبار العلماء(سینئر علماء بورڈ) کے بھی مؤثر رکن رہے۔ آپ بیسیوں رسائل وکتب کے مصنف اور بلند پایہ مدرّس تھے آپ نے چالیس سے زائد کتابیں تالیف کیں۔ آپ کے فتاویٰ کئی جلدوں میں جمع کئے جاچکے ہیں۔ شیخ کو ان کی علمی کاوشوں کے اعتراف میں شاہ فیصل عالمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ آپ کینسر کے مرض میں مبتلا ہو کر ۱۰/ جنوری ۲۰۰۱ء کو جدہ میں راہ گیر عالم بقا ہوگئے۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون{ماہنامہ محدث، شمارہ:245، جلد:33، عدد:2، ص:19-30}

[28]Ibn ul Uthaimeen, Muhammad bin Saleh, Al-Sharh ul Mumtea ala Zad el Mustaqne'a, Dar Ibn ul Jauzi, 1st edition, 10/324

[29]Abu Zuhra, Muhammad bin Ahmad, Al Alaqat Aldaulia fil Islam, Dar ul Fikr al-Arabi:1995, P:56

[30]Rehmani , Khalid Saifullah, Jadeed Fiq'hi Masa'el, Zamzam Publishers Karachi:2010, 4/64

[31]Usmani, Mufti Taqi, Islam aur Siasi Nazriat, P:324

[32] Islam aur Siasi Nazriat, P:325

[33] AL-Sharq ul Ausat, volume :2, August,2001, See Takfeer ul Hukkam wal duwal bain albahs al-Ilmi wal-Irhab al-Fikri, Dr. Khalid bin Ali Anbari, Dar Manara tul Islam Qahira, P:191

[34]Takfeer ul Hukkam wal duwal, P:192

[35]-ماردین- ترکی میں موجود انتہائی پر فضا شہر، جسے عیاض بن غنم نے 19ھ یا 20ھ میں فتح کیا تھا۔{ الحموي، شھاب الدین أبو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الرومي، معجم البلدان، الناشر: دار صادر بیروت، الطبعة الثانیة، 1995م، 5/39}

[36]Majmoo'a al-Fatawa, 28/241-242

37 Takfeer ul Hukkam wal duwal bain albahs al-Ilmi wal-Irhab al-Fikri, P:199